رئیس احمد جعفری

ملکہ حضرت محل

واجد علی شاہ جب انگریزوں کے حکم سے معزول کئے گئے تو لکھنؤ میں کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ نہ صرف اودھ بلکہ سارے ہندوستان میں اس ظالمانہ اقدام کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا گیا۔ تمام انگریز، ہندو مسلمان مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اسباب و محرکات میں ایک اہم ترین سبب اور محرک بے گناہ واجد علی شاہ کی معزولی بھی تھی۔

جب انگریز ریذیڈنٹ نے ان سے اعلان دستبرداری پر دستخط لینا چاہے تو انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ میں اس پر دستخط نہیں کر سکتا۔ ریذیڈنٹ کے پیہم اور شدید اصرار کے باوجود وہ اپنے موقف پر قائم رہے، اور کہا کہ میں انگلستان جاؤں گا اور وہاں اپنا معاملہ برطانوی قوم کے سربراہوں کے سامنے خود پیش کروں گا۔ انگریز ریذیڈنٹ واجد علی شاہ کی ان ہوشمندانہ باتوں سے بہت جزبز ہوا لیکن اس عدم تشدد کے رویے کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

انگلینڈ جانے کے خیال سے واجد علی شاہ کانپور اور بنارس کے راستے سے کلکتہ روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرت محل کا دل اس وقت محشرستانِ جذبات بنا ہوا تھا وہ اپنے شوہر سے محبت کرتی تھیں۔ لیکن اس سے خفا بھی تھیں۔ وہ سوچتی تھیں کہ تخت و تاج خون بہا کر حاصل کیا جاتا ہے اور اسی طرح اس کا تحفظ بھی ہوتا ہے کہ کوئی لٹیرا تاج و تخت پر چھاپا مارے اور اس کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ جیتے جی اپنا تاج و تخت دوسروں کے حوالہ کر دینا نہ شیوہ دانش مندی ہے نہ شانِ مردانگی۔ وہ سوچتی تھیں انگریزوں کے آئینی ضمیر اور سیاسی شعور سے امید رکھنا سادہ لوحی کی انتہا ہے۔ ان لوگوں نے آج تک کسی سے وفا نہیں کی ہے۔ حضرت محل کی اسی ذہنی کش مکش کے دوران میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ پھوٹ پڑا۔ انگریز لکھنؤ کی طرف سے کچھ زیادہ فکرمند نہ تھے کیونکہ یہاں کوئی مرکزی شخصیت نہ تھی جس کا وجود خطرناک ثابت ہوتا نہ کوئی ایسی سیاسی جماعت تھی جس کی سرگرمیاں اندیشناک ہوتیں لیکن بہت مختصر مدت میں حضرت محل کے تدبر، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کے باعث لکھنؤ فرنگی سامراج کے خلاف ایک دہکتا ہوا انگارہ بن گیا۔

حضرت محل نے ایک طرف مولانا احمد اللہ شاہ جیسے مجاہد اور سرفروش اسلام کا خیر مشروط تعاون حاصل

کیا دوسری طرف نواب مموّ خاں جیسے سیاست داں اور سپہ سالار کی خدمات حاصل کیں تیسری طرف نانا راؤ عظیم اللہ خاں، بخت خاں، تانیتا ٹوپی وغیرہ سے اپنی تحریک کا ربط قائم رکھا۔ چوتھی طرف شہنشاہ دہلی کی بالادستی تسلیم کرکے وہ خلیج پاٹ دی جو نوابانِ اودھ کے خطابِ شاہی حاصل کرنے کے بعد سے پیدا ہوگئی تھی اس طرح حضرت محل نے اپنے بے نظیر تدبّر اور دانش مندی کا خاص و عام پر سکّہ بٹھادیا تھا۔

۵ر جولائی ۱۸۵۷ء کو احمد حسین کی تحریک اور نواب مموخاں کی تائید سے برجیس قدر حضرت محل کے بیٹے تختِ واجد علی شاہ پر متمکن ہوئے شہاب الدین اور سید برکات احمد رسالدار نے مندیل شاہی برجیس قدر کے سر پہ رکھی تمام افسروں نے نذر گزرانی۔ ۲۱ ضرب توپ سلامی کی سر ہوئیں۔ شہر میں غلغلہ مسند نشینی ہوا۔ شہر میں منادی ہوئی خلق خدا کی، ملک شاہِ دلی کا حکم برجیس قدر کا۔

تمام بیگمات جمع ہوئیں سب نے حضرت محل کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے برجیس قدر کی تخت نشینی پر رضامندی ظاہر کی۔ چونکہ برجیس قدر کی عمر اس وقت صرف دس سال کی تھی اس لئے حضرت محل ان کی مختار کل بنیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے پُرآشوب زمانہ میں حضرت محل نے قیادت کے بارِگراں کو اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھاکر غیر معمولی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ عام بھرتی کا اعلان ہوا۔ تمام تعلقداروں اور زمینداروں کے نام احکام جاری ہوئے کہ "ملک آبائی خدا نے اب ہم کو عطا کیا۔ دفع کفار فرنگ لازم ہے۔ باہم شریک ہوکر باقی ماندگان بیلی گارڈ کو قتل کردو جوان کو قتل کرے گا اس کا نصف علاقہ اس کو معاف ہوگا۔ چنانچہ اس حکم نامہ کے جواب میں جورُوسا اور تعلقدارانِ اودھ مع فوج کثیر وذخیرہ لکھنو پہنچے اور تحریک میں شامل ہوکر انہوں نے نیک نام پایا اور بقائے دوام حاصل کی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

نواب علی محمد خاں رئیس محمود آباد۔ درگیج سنگھ۔ حشمت علی سندیلہ، منصب علی نانپارہ

تمام امورِ سلطنت کو حضرت محل، نواب مموخاں اور مولوی احمد اللہ شاہ صاحب کی رائے سے مرتب کرتیں۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے زمانے میں عمارت "چولکھی" میں ان کا قیام تھا اور اسی عمارت میں ان کا دربار ہوتا تھا۔ حضرت محل کی بہادری اور جوش کا یہ عالم تھا کہ باوجود پردے میں رہنے کے گھوڑے پر نکلتیں۔ انہوں نے تقریباً ۵ ماہ انگریزوں کا مقابلہ کیا۔

کمپنی کے خلاف جذبہ نفرت و حقارت سرعت سے بڑھ رہا تھا۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

صرف گیارہ روز میں اودھ کے کسی ضلع میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے کوئی حاکم نہ تھا اور انگریزی عملداری خواب معلوم ہوتی تھی۔

سر ہنری لارنس اپنی ایک چٹھی میں جو اس نے لفٹننٹ گورنر کو بھیجی تھی لکھتا ہے:

"سارے اضلاع ہماری حکومت سے نکل گئے اور ہر روز حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ سارے تعلقدار مسلح ہو رہے ہیں۔ اور بعض نے دیہات پر قبضہ کر لیا ہے۔"

دارالسلطنت کا ذکر ہی کیا گاؤں اور قصبات تک کی یہ حالت تھی کہ قصبہ اناؤ کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کا رقبہ صرف پون میل تھا لڑنے والوں سے بھرا پڑا تھا۔ اور گاؤں کے تمام گھروں میں منادی ہوئی، کہ پرسوں بیلی گارد پر حملہ ہوگا۔ مسلمانوں نے قرآن شریف اور ہندوؤں نے گنگا جل اٹھا کر قسم کھائی، کہ جب تک محصورین کو تہ تیغ کرکے بیلی گارد کو زمین کے برابر نہ کر دیا جائے گا کھانا پینا حرام ہے۔ کل انگریز نہیں یا ہم نہیں۔

۱۳ جولائی کو پہلا حملہ مولوی احمد اللہ صاحب کی سپہ سالاری میں بیلی گارد پر ہوا۔ حملے کے روز حضرت محل کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ لوگ ان کی بہادری اور مستعدی کی تعریف کرتے وہ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتیں اور توقع سے زیادہ انعام دیتیں۔

معرکہ عالم باغ کے سلسلہ میں راجہ مان سنگھ کو ان کی غیر معمولی جانفشانی کے صلے میں علاوہ خلعت، رومال اور دوشالہ کے "فرزند خاص" کا خطاب اور ملبوس خاص سے اپنا دوپٹہ عنایت کیا اور فرمایا کہ بعد فتح کے بہت سا روپیہ اور جاگیر دونگی۔ اگست میں لڑائی کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا۔ جنرل سید برکات احمد اور کپتان صوبہ سنگھ نے اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ بیلی گارد پر زبردست حملہ کیا۔ انگریزی مورچوں کے اندر بھوکے پیاسے گھس گئے دست بدست تلوار چلنے لگی۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

دلی پر انگریزوں کا قبضہ اس بات کا نفسیاتی اعلان تھا کہ سارا ہندوستان پھر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا ہے چنانچہ اس کے بعد مزاحمت کی سرگرمیاں عام طور پر ختم ہوگئیں۔ لیکن اودھ میں اور زیادہ زور پکڑ گئیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ دلی کی شکست کی خبر نے تازیانے کا کام کیا اور حملوں کا زور بہت بڑھ گیا۔ ایک اشتہار شائع ہوا جس کا مضمون یہ تھا:

"سب خاص و عام بگوش ہوش سنیں کہ ان کافروں نے جب دلی کو فتح کیا تو وہاں کسی کو جیتا نہ چھوڑا۔ اسی طرح تمہارے بال بچے بھی مار ڈالے جائیں گے۔ مقام غیرت ہے کہ آنکھوں کے سامنے عورتیں اور بچے مارے جائیں اور ذلیل ہوں۔ اے بہادرو! یہ گورے پانچ ہزار سے زیادہ نہیں۔ اگر انہیں مارلو تو تمام عمر چین سے بسر ہوگی"

فیروز شاہ، نانا راؤ اور جنرل بخت خاں بھی اس وقت آگئے تھے۔ اور حضرت محل کے یہاں بطور مہمان خاص قیام پذیر تھے۔ ان فدائیان وطن کی موجودگی اور حضرت محل کے استقلال نے جنگ کو مارچ تک جاری رکھا۔ کانپور کی شکست کے بعد تانتیا ٹوپی کو تحریک کا قائد بنا کر لکھنؤ لایا گیا۔ حضرت محل نے شیش محل میں قلعہ گیا۔

ضرب توپ کی سلامی ہوئی۔ ۲۵ ہزار دعوت کے دوشالے، رومال اور خلعت اس کے علاوہ عطا ہوئے۔

مولوی ذکاراللہ لکھتے ہیں:

ستر، اسّی ہزار آدمی بہادری، استقلال اور ہوشیاری سے اپنے مستحکم مقام کو استوار کر رہے تھے جن کو قومی عزت نے حضرت محل نائب السلطنت کے زیر علم شہر میں جمع کیا تھا۔

ہنری لارنس نے کالن کیمبل کو تحریر کیا: اگر کمک نہیں آئے گی تو وہ ۱۵ روز سے زیادہ ریذیڈنسی کو اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکیں گے۔

مسلمانوں نے جب بھی کوئی جنگ ہاری تو اپنے ہی غداروں اور جاسوسوں کے باعث چنانچہ بنگال اور دلّی کی طرح اودھ میں بھی اندرونی غداری کا سلسلہ جاری تھا۔ اور بیلی گارد کی یہ سخت جانی انگریزی فوج کی بہادری کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ غدارانِ وطن کی مہربانیوں کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ مصنف قیصرالتواریخ لکھتا ہے:

انگریزوں نے جب پہلا حملہ کیا تو حضرت محل کے حکم سے قیصر باغ کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ تلنگے شہر والوں کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ اگر یہ لوگ رسد وغیرہ بیلی گارد میں نہ پہنچاتے تو انگریز فاقوں سے مر جاتے۔

اودھ میں حضرت محل کی زیر قیادت جنگِ آزادی جوش و خروش کے ساتھ جاری تھی غدّاروں اور نمک حراموں کی سعی و کوشش کے باوجود اس کے جوش و خروش میں کوئی فرق نہیں آیا تھا کہ عین اس وقت جنگ بہادر وزیراعظم نیپال نے ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اپنے ملک سے نکل کر اودھ کا رُخ کیا۔

کالن کیمبل اور جنرل اوٹرم بغاوت کو فرو کرنے میں مسلسل کوششوں کے باوجود ناکام رہے تھے اس کو جنگ بہادر اور اس کی فوجوں نے قابو کر لیا۔ کیمبل اور اوٹرم نیپالی بندوقوں اور تلواروں کے سائے میں اودھ کو فتح کرنے کے لئے اُمڈے وہ اودھ جہاں گورنر جنرل لارڈ کیننگ کے الفاظ میں سب سے زیادہ باغی جمع تھے۔ لیکن علمائے اسلام اور مجاہدین نے اپنے خون کے دریا بہا کر نیپالی فوجوں کے راستوں کو مسدود کر دیا۔ پھر بھی جنگ بہادر ۱۴ فروری کو گورکھپور سے دارالسلطنت لکھنو جانے کے لئے روانہ ہوا اس کے ساتھی جنرل رودکرافٹ کو معلوم ہوا کہ پھول پور میں دو خونریز لڑائیاں ہوئیں اور مجاہدین نے نیپالیوں کا خوب مقابلہ کیا۔ گورکھپور سے لے کر سلطان پور تک ۳۴ میل کے فاصلے تک باغی بھرے ہوئے تھے۔ ان کا سب سے بڑا مقام سنگرام پور اور چاندا تھا۔ ان کے میر لشکر بندے حسین اور مہندی حسین تھے۔ فرینکس صاحب اور نیپالیوں کی افواج نے جب ان مقامات پر قبضہ کر لیا۔ ذکاراللہ لکھتے ہیں:

مہندی حسین پھر بھی مایوس نہیں ہوا اور بادشاہ گنج اور نیپالیوں کے سدِّ راہ ہونے کے لئے پراگندہ اور شکست یافتہ سپاہ کو جمع کیا۔ مرزا جعفر بیگ سپہ سالار نے گھرسے نالہ کے نیچے جس پر ایک سڑک لکھنو کو جاتی تھی صف آرائی کی اور سب سے بڑا توپ خانہ سڑک کے کنارے لگایا۔

نیپالیوں اور انگریزوں کا پہلا حملہ عالم باغ پر ہوا۔ حضرت محل کے قصر کے پاس بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ جس کے اردگرد مجاہدین کی سینکڑوں لاشیں شمار کی گئیں تھیں۔ قریب تھا کہ چولکھی پر قبضہ ہو جائے کہ عین اس وقت خان علی خان ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آ گئے۔ خوب رن پڑا۔ چمن پر خون کی نہر جاری تھی۔ پیچھے سے جنگ بہادر نے باڑ ماری۔ سینکڑوں گر پڑے۔ خان علی خان بھی زخمی ہوئے۔ حضرت محل کسی طرح چولکھی چھوڑنے کا نام لیتی نہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سب سے زیادہ حملے کا رخ چولکھی کی جانب ہے۔

مصنف قیصر التواریخ لکھتے ہیں:

ایک روز صبح کو بکنایہ واشارا حضرت محل کو نواب ممو خاں نے بہت سمجھایا لیکن ان کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ کمپنی کی فوجوں کے چوطرفہ حملوں نے اب مجاہدین کو امان لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت جنگ بہادر نے بھی جارحانہ کی بجائے مدافعانہ صورت اختیار کر لی تھی۔ ملک کے تمام حصّوں پر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے آلاتِ جنگ کی کثیر تعداد جن میں بہت زیادہ توپیں تھیں معہ قواعد دان توپچیوں کے خاص دارالسلطنت لکھنؤ میں ان مجاہدین کے مقابلہ پر لاکر جمع کر دیں۔ جن کے پاس جدید قسم کی توپوں اور ہتھیاروں کی کمی تھی۔ لے دے کر صرف ایک اوسط درجے کا پرانا توپ خانہ تھا۔ وہ کہاں تک مقابلہ کرتا۔ اخیر شکست ہوئی۔ اور انگریزی فوج کا تسلط ہو گیا۔

آخر اودھ کی یہ شیر دل ملکہ میدانِ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ لیکن اس حالت میں کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر ایک نامعلوم سرزمین کی طرف قدم بڑھا رہی تھی اس کی آن پندار، وقار، خودداری کسی چیز میں فرق نہیں آیا تھا۔

قیصر التواریخ کا مصنف اپنا چشم دید واقعہ لکھتا ہے:

حضرت محل بحالِ تباہ معہ دیگر بیگمات شاگرد پیشہ اور ملازمین پھاٹک سے نکلیں اس طرح کہ وہ آگے آگے تھیں اور سب پیچھے صف بستہ۔ برجیس قدر ایک سید کی گود میں تھے۔ پیادہ پائی کی وجہ سے ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتیں اور الجھتی تھیں۔ ٹیلہ شاہ سے گذر کر پل مولوی گنج پہنچیں۔ تلنگے ہر طرف متلاشی تھے۔ رات کو غلام رضا کے یہاں قیام کیا پھر شرف الدولہ کے گھر گئیں۔ وہاں سے محل سرائے حسین آباد آ گئیں۔ شام تک جتنا عملہ شاگرد پیشہ تھا جمع ہو گیا اور ان کی حفاظت کو پہرے کھڑے ہو گئے تھے۔ علی رضا کے یہاں جنرل اوٹرم کا پیغام پہنچا کہ ہم خطاب زمانہ واجد علی شاہ کا واپس دیں گے جنگ سے دست بردار ہو جائیے۔ فوج مغلوبہ کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ مسافرانِ کلکتہ و لندن کو یہیں بلوا دیں گے۔ حضرت محل نے اوٹرم کی اس پیش کش کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا کر صلح نامے پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ۱۶ مارچ ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ کو خیرباد کہہ کر نیپال کا رُخ کیا۔ غیر ملک میں

داخل ہونے کے بعد حضرت محل پر کیا گذری یہ بھی سُن لیجئے۔ مولوی عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں:

ایک لاکھ کا مجمع ان کے ہمراہ تھا۔ مولوی احمداللہ شاہ نے ان کے بعد لڑائی جاری رکھ کر برجیس قدر اور حضرت محل کو آزادی کے ساتھ چلے جانے کا موقع پیدا کر دیا تھا۔

حدود نیپال میں داخل ہو کر ہر قسم کی تکالیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا پہلے حضرت محل کوہ نبول پر قیام پذیر ہوئیں۔ جہاں آصف الدولہ کی بارہ دری بنی ہوئی تھی یہاں انہیں مہاراجہ نیپال کا ایک تہدید نامہ ملا جس کا مضمون یہ تھا:

"آپ انگریزوں سے صلح کریں یا کسی اور طرف چلی جائیں۔ ہم سے کسی طرح کی امداد کی توقع نہ رکھئے گا۔ ہم انگریزوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حضرت محل کی طرف سے نواب ممو خاں نے اس نامۂ پُر نخوت کا جواب ان تلخ الفاظ میں لکھا:

"ہم کسی طرف نہیں جائیں گے۔ یہیں رہ کر انگریزوں سے لڑیں گے۔ کچھ تمہارے بھروسے پر ان سے بگاڑ نہیں کیا ہے"

اس کا جواب یہ آیا:

"اُدھر سے انگریز ادھر ہم تمہیں ماریں گے۔ یہاں سے نکل جاؤ"

آخر کار صرف حضرت محل، برجیس قدر اور ان کے ساتھ کی عورتوں اور بچوں کو نیپال میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد حضرت محل کا انجام کیا ہوا، یہ کسی کو معلوم نہیں۔

افکارِ غالب

(مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم)

اردو ادب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں غالب کے ان فارسی اور اردو اشعار کی شرح کی گئی ہو جو بلند پایہ فلسفیانہ اور حکیمانہ مطالب کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے جو ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں، افکارِ غالب میں غالب کے فلسفیانہ کلام کی حکیمانہ تشریح کر کے اُردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور